© rasailojaraid.com

فلسفہ کیا ہے؟

(۱)

از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

نامد خبرے کہ از کجائیم ہمہ ... وز بہر چہ در حیات مائیم ہمہ
چوں در تہ خاک می رویم ہمہ ... پس ما بہ سرِ خاک چرائیم ہمہ

فلسفہ؟ وہی تجریدات کا گورکھ دھندہ! وہی لِمَ ولانُسَلِّم کا دعوے؟ وہی اثیری تخیلات جو منتِ کشِ معنی نہیں؟

اُلجھن شاید سب ہی کو پیدا ہوتی ہے کہ آخر فلسفہ صرف بحث و مباحثے ہی کا نام ہے جہاں بحث صرف بحث ہی کی خاطر کی جاتی ہے، یا اس بحث کا کوئی موضوع بھی ہوتا ہے جو واضح، صریح، متعین ہو؟ سب جانتے ہیں کہ علم ہیئت میں اجرام سماوی سے بحث کی جاتی ہے تو ارضیات میں زمین اور چٹانوں سے، نفسیات کا موضوع ذہن یا نفس ہے جہاں احساس، ارادہ اور عقل کی ماہیت پر غور کیا جاتا ہے، "خود را بشناس" کی حکیمانہ ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ہم پوچھتے ہیں کہ جذبات کا زور مرد افگن کیوں ہوتا ہے، عقل ان کے شر و شور پر کہاں تک غالب ہو سکتی ہے، شعور کے کیا معنے ہیں، تسلسلِ ذات سے کیا مُراد، وغیرہ - بہر حال یہ تمام علوم واقعات کے ایک متعین دائرہ سے بحث کرتے ہیں، یہ واقعات نہایت اہم و دلچسپ ہیں، علمی و عملی لحاظ سے ان کا فائدہ مسلم ہے - لیکن فلسفے میں کس چیز سے بحث ہوتی ہے؟ استدلالیوں کی یہ چناں و چنیں، یہ لم و نسلم آخر کس چیز کے متعلق ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے میرا ہی دل تو ہے، کہ جہاں تو سما سکے

تو پھر کائنات کی وسعت و مرور یعنی مکان و زمان کی نوعیت کیا ہے، اس نا متناہی زمان و مکان والی کائنات کے خالق کا نشان کہاں، اس کا مقصد و غایت کیا، اس کا مایۂ خمیر کیا، اس کا حضرت انسان، اس کی روح اور اس کے منتہا سے تعلق کیا ہے؟ یہ وہ انتہائی و ابدی سوالات ہیں جن کے جواب کی تلاش میں دیمقراطیس اور فلاطون اور ارسطو، سینٹ اگسٹائین، برونو، ڈیکارٹ، سپنوزا، کانٹ، ہیگل اور ہربرٹ اسپنسر، اور دیگر اکابر فلاسفہ نے اپنی جانیں دیں اور یہی عظیم الشان سوالات اب تک قابلِ غور ہیں اور وارفتگانِ عقل کے لیے ہمیشہ رہیں گے!

موجودہ زمانے میں ہمارا نقطۂ نظر زیادہ تر انفرادی واقع ہوا ہے، ہم دنیا پر ہیئتی نگاہ سے غور نہیں کرتے بلکہ معاشری، سیاسی، ادبی، اخلاقی اور مذہبی نگاہ سے اس کی تحقیق و تدقیق کرتے ہیں۔ قدمائے یونان کو ثبات و تغیرِ عالم کا مسئلہ پریشان کیا کرتا تھا لیکن تغیر سے ان کی مُراد مادی تغیر تھا یعنی مادی ذرات یا اجزا کی حرکت یا نشو و نما، زوال و فنا کے مظاہر، چنانچہ زینو کا خیال تھا کہ قدرت کے کارخانے میں تغیر محال ہے، حواس کو بظاہر جو تغیر دکھائی دیتا ہے وہ محض فریبِ التباس ہے، لیکن ہرقلیتوس کو یقین تھا کہ ثبات و سکون کائنات کی کسی شے میں نہیں، دنیا سراپا تغیر، تجدد، تنوع ہے۔ یہ اور اس قسم کے مسائل اس ہیں کوئی شک نہیں کہ اب تک لاجواب ہیں، لیکن ہماری دلچسپی دنیا کے کسی اور طرح کے تغیر سے وابستہ ہوگئی ہے، ہم معاشری رسوم سیاسی علائق، اخلاق و آداب، مذہب اور ادبی معیارات کے تغیرات سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں لیکن اس قسم کی تغیر پذیر دنیا بھی توجیہ کی اسی قدر محتاج ہے جیسی کہ اجزائے مادی کی تغیرات والی دنیا لہٰذا فلسفے کی ضرورت یقینی، فرق صرف اتنا ہے کہ اب فلسفہ حیات، اس کی قدر و قیمت، اس کی بدایت و نہایت اور غرض و غایت کی توجیہ کرتا ہے۔ اس لیے ارتقاء، ترقی، ذہن کے طریقے، کردار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرت کے مسائل زیادہ نمایاں اور پیش ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ ہمیشہ کے لیے صحیح ہے کہ فلسفہ اس دنیا کو سمجھنے کا نام ہے جس میں ہم اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔

شاید قارئین میں سے بہت کم ایسے ہونگے جن کے ذہن نے کبھی نہ کبھی اس قسم کے سوالات کو نہ اُٹھایا ہوگا : کیا خدا کا وجود ممکن ہے یا سوائے مادہ اور انرجی کے کوئی شئے نہیں ؟ مادے کا مایۂ خمیر کیا ہے ؟ کیا درد سے زیادہ کوئی چیز حقیقی ہو سکتی ہے ؟ اگر جلوہ فرمائی صرف مادہ کی ہے تو درد کیا چیز ہے، کیا یہ ذہن میں نہیں پایا جاتا ؟ تو کیا ذہن' مادے سے جُدا نہیں ؟ میرا غور و فکر کرنا، درد و الم سہنا کیا صرف مادی جسم ہی سے تعلق رکھتا ہے، مادی جسم ہی کا وظیفہ ہے یا اس سے جُدا شئے ہے ؟ میں زندہ ہوں، حیات کیا ہے ؟ دم کیا ہے جو بہ قول اقبال "تلخ تر او نکو تر ست ؟" ایک روز مجھے موت آئیگی، موت کیا ہے ؟ کیا یہ انسانی شخصیت کا خاتمہ ہے ؟ ابو العتاہیہ نے حیرت کے عالم میں کیا خوب پوچھا تھا ؎

الموت باب وکل الناس یدخلہ　　　یا لیت شعری بعد الباب ما الدار[1]

ہم آزاد نظر آتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے ؟ میر کا خیال تھا کہ "ناحق ہم مجبوروں پر تہمت ہے مختاری کی" ! حافظ کا خیال تھا کہ "پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند" ! واقعہ کیا ہے ؟ مجھ سے آپ سے ہر طرح کے افعال سرزد ہوتے ہیں، بعض ان میں کے صائب ہیں اور بعض خطا پذیر، صواب و خطا کے کیا معنے ؟ ان کے معیار کیا ؟ ہم میں سے بعض تلاشِ زر میں سرگرداں ہیں، بعض شہرت کے خواہاں اور بعض لذت کے دلدادہ اور "خوش باش دمے کہ زندگانی ایں است"، کے پیرو کیا یہ درحقیقت اعلیٰ قیمتیں ہیں ؟ ان سے اعلیٰ ارفع نصب العین موجود ہیں ؟ مثلاً رواقیہ نے "طمانیتِ نفس" کو خیر و برتر قرار دیا تھا، دنیا کی کوئی مصیبت، دنیا کی کوئی خوشی، اطمینان خاطر کو صدمہ

---

[1] موت ایک دروازہ ہے جس میں ہر شخص داخل ہوتا ہے۔ اے کاش یہ مجھے معلوم ہوتا کہ اس دروازے کے بعد مکان کونسا ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں پہنچا سکتی، چنانچہ بی ہیتیوس نے روما کے جیل خانے میں "فلسفے کی تسلی بخش لذات پر ایک طویل مقالہ لکھا تھا۔ کیا اسی طرح محبت، فرض، تلاشِ حق، فنونِ لطیفہ کا ذوق وغیرہ اعلیٰ قیمتیں قرار نہیں دی جا سکتیں؟ ہم یہ تمام سوالات اُٹھا سکتے ہیں، کیا ان کا جواب دینا ممکن ہے؟ علمِ انسانی کے حدود کیا ہیں؟ اس کی اُڑان کتنی ہے؟ علاوہ ازیں فطرت و صنعت میں خوبصورت اشیاء میرا محاصرہ کیے ہوئے ہیں، اکثر بدصورت بھی ہیں، حُسن کیا ہے؟ ایک خوبصورت عمارت میں، ایک حسین چہرے میں، موسیقی کے ترنّم میں وہ کیا چیز ہے جس سے ہم کیف اندوز ہو رہے ہیں؟ اگر آنکھیں نہ ہوتیں، ذہن نہ ہوتا تو کیا پھر بھی فطرت لباسِ حُسن میں ملبوس ہوتی؟ یہ سب فلسفیانہ سوالات ہیں، ان کا پیش کرنا انسان کی فطرت کا تقاضا ہے، ان پر غور و فکر کرنا، حکیمانہ طور پر تدقیق و تحقیق کے ساتھ اُن کا مطالعہ کرنا، اُن کے جواب فراہم کرنے کی سعی کرنا، گو یہ سعیِ لاحاصل سہی، فلسفہ ہے، یا جیسے فلسفے کے شیدائی ولیم جیمس نے کہا ہے "فلسفہ واضح طور پر فکر کرنے کی ایک غیر معمولی و مستقل کوشش کا نام ہے" یہ کام دیوتاؤں کا نہیں، جانوروں کا نہیں، انسان کا ہے، ہر انسان کا خواہ وہ حیوانیات کا پروفیسر ہو یا تاریخ کا!

ان سوالات کا مبدء تجسس و استعجاب ہے، انسان کی وجہ امتیاز یہی تجسس کا جذبہ ہے اور اسی کو افلاطون نے فلسفے کا مبدء قرار دیا ہے، افلاطون کے ہم وطنوں نے اپنی زندگی فلسفے کے لیے وقف کر دی تھی، لیکن ہمارے مقابلے میں ان کا کائنات کے متعلق نقطۂ نظر سادہ اور طفلانہ تھا، تاہم ان کی طبیعت میں تعجب زیادہ تھا، وہ دنیا کی ہر شے، ہر مظہر پر استعجابانہ نظر ڈالتے تھے اور بہت جلد ان کے اس استعجاب و تحیر نے ان کو فلسفے کی راہ پر لگا دیا، اس زاویہ نگاہ سے ہم فلسفے کی اس طرح تعریف کر سکتے ہیں کہ یہ وہ استعجاب ہے جو سنجیدہ و متین فکر کی صورت اختیار کر لیتا ہے"

ایک چھوٹی لڑکی دریچے سے مُنہ نکال کر غور و خوض کے ساتھ راہ روؤں کی وارفتہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حرکات دیکھ رہی تھی، ایک دم وہ بیٹی اور اپنی ماں کے مُنہ سے مُنہ ملا کر پوچھنے لگی" اماں میری یہ سمجھ میں نہیں آتا، تم ہی بتلا دو کہ یہ سب لوگ کہاں سے آئے، یہ دنیا کہاں سے آئی؟" اس معصوم جان کا اس طرح فکر کرنا فلسفہ ہے! ہم میں سے بہت سارے بچے اور بڑے، دنیا کے متعلق کچھ استفسار نہیں کرتے، جیسی بھی ہو قبول کر لیتے ہیں، بقول رابرٹ لوئیس اسٹیونسن، اس کو دوا کی گولی کی طرح نگل جاتے ہیں، لیکن بعض غور و فکر کرنے والے ہوتے ہیں، اُنہیں دنیا ایک کہنہ کتاب سی معلوم ہوتی ہے جس کا آغاز و انجام نامعلوم ع اوّل و آخر این کہنہ کتاب افتادست۔ وہ اس کی بدایت و نہایت کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں اور خود اپنے متعلق پوچھتے ہیں کہ ؎

دریغ و درد کہ غافل ز کارِ خویشتنم! عیاں نہ شد کہ چرا آمدم کجا بودم

فلسفے کا لفظ یونانی الفاظ سوفیا اور فلیوس سے مشتق ہے جن کے معنے محبتِ حکمت" کے ہیں۔ سقراط انکسار کے ساتھ اپنے آپ کو "فلسفی" کہتا تھا یعنے" طالبِ حکمت" جو انسان کی غرض و غایت وجود اور اس کے فرائض کی تلاش میں جان تک کو عزیز نہ رکھتا تھا۔ ارسطو کے نزدیک انسانی عقل حکمت الٰہی کا ایک جزو ہے، خدا کا علم کلّی ہے، ہماری عقل کا یہ پیدائشی حق ہے کہ یہ بھی کلّی علم کی تلاش کرے۔ لیکن فلاطون وارسطو دونوں اپنے آپ کو" طالب حکمت" کہتے تھے، اور فلسفے کے اس لفظی معنے کے لحاظ سے ہر عاشقِ حکمت فلسفی کہلایا جا سکتا ہے:۔

فلسفے کی اس عام تعریف و توضیح سے جو سطور بالا میں کی گئی، آپ کو فلسفے کے معنے دلنشین کرنے میں مدد ملی ہوگی۔ اب ہم چند اکابر فلاسفۂ یونان کے الفاظ میں فلسفے کی مختلف تعریفات پیش کرتے ہیں۔ فلاطون اور اُس کے شاگرد ارسطو سے زیادہ مغربی تہذیب پر شاید کسی اور مفکر کا اثر نہیں ہوا اس لیے ہمیں یہ جاننا ضروری ہے کہ ان عظیم المرتبت فلسفیوں نے فلسفے کی کیا تعریف کی ہے۔ فلاطون فلسفے کو (سقراط کی طرح) محبتِ حکمت یا محبتِ علم قرار دیتا ہے جو محض رائے زنی یا ظن کی محبت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالکل مختلف چیز ہے۔ اس کے نزدیک فلسفی وہ شخص ہے جو اشیاء کے عین حقیقت سے واقف ہوتا ہے، ظواہر و التباساتِ حواس میں مبتلا نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ اپنے مشہور و معروف مکالمہ "جمہوریت" میں لکھتا ہے: "جن لوگوں کو مطلق و سرمدی و عدیم التغیر کی یافت ہوتی ہے۔ انہی کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ "علم" رکھتے ہیں نہ کہ محض رائے یا ظن" لہٰذا فلسفی وہ لوگ ہیں جو اس شے سے دل لگاتے ہیں جو ہر حالت میں فی الحقیقت وجود رکھتی ہے"۔ سرمد نے اپنی زبان میں اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے ؎

دنیا نکنم طلب کہ کمتر ز خس است بے دولتِ دیدار تو دیں ہم قفس است
خواہانِ وصالم و ہمیں ست سخن در خانہ اگر کس ست یک حرف بس است

فلاطون کی رائے میں علم کا سچا شیدا "صداقت کے حصول میں سعیِ بلیغ سے کام لیگا" اُس کا قلب تنگ ظرفی، بزدلی، حرص، کمینہ پن، اد عا جیسے صفات ذمیمہ سے پاک ہوگا اور تیزیِ فہم، حافظۂ قوی شجاعت و عدالت صفات سے متصف ہوگا۔[1]

فلسفے کے متعلق ارسطو کا خیال فلاطون کے خیال سے بہت مماثلت رکھتا ہے۔ ارسطو کے نزدیک بھی فلسفہ محبتِ حکمت ہے، علم ہی کی خاطر علم سے محبت فلسفہ ہے۔ فلاطون کی طرح ارسطو نے بھی "حیرت" کو فلسفے کا مبدء قرار دیا ہے چنانچہ ابتدائی فلاسفۂ یونان کے متعلق وہ کہتا ہے کہ "ابتداءً انہوں نے ظاہری مشکلات پر حیرت کی، پھر رفتہ رفتہ وہ آگے قدم بڑھاتے گئے اور عام معاملات کے متعلق مشکلات کو پیش کیا"۔ ارسطو جس چیز کو فلسفۂ اولیٰ کہتا تھا وہ ان دنوں "مابعد الطبیعات" کہلاتی ہے۔ اس کی تعریف ارسطو نے اس طرح کی تھی: "فلسفۂ اولیٰ علل اولیہ و اصول اولیہ سے بحث کرتا ہے"۔ علمی علم بلکہ جملہ سائنس بھی، جو جزئیات سے بحث کرتے ہیں، حواس سے بالکل قریب ہوتے

---

[1] دیکھو "ریپبلک" مترجمہ جوویٹ صفحہ ۴۸۰، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۷ وغیرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ لہذا ان کا زیادہ آسانی کے ساتھ مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ علم افادی مقاصد کے حصول کے لیے سیکھا جاتا ہے لیکن علل واصولِ اولیہ یا کلیات" انسان کے علم کے لیے سب سے زیادہ سخت ہیں" کیونکہ یہ حواس سے بعید ترین ہیں اور ان کی تلاش وہی لوگ کرتے ہیں جو علم کو علم کی خاطر حاصل کرنا چاہتے ہیں"۔

ابتدائی یونانی، رومی عہد میں دو اور فلسفیانہ نظامات پیدا ہوئے جو رواقیت و ابیقوریت کہلاتے ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں سیاسی اور معاشری اختلال پایا جاتا تھا اور ہر سو ہراس و ابتری پھیلی ہوئی تھی اس لیے رواقیہ اور ابیقوریہ کی زیادہ تر دلچسپی حیاتِ انسانی کی قدر وقیمت سے وابستہ ہوگئی۔ معاشی و سیاسی اداروں کی تباہی اور مذہب واخلاق کی بربادی کو دیکھ کر اُنھوں نے یہ سوالات اُٹھائے: "ہماری زندگی کی کیا غرض وغایت ہے؟ انسان اپنی زندگی کو کس طرح سُدھارے؟ حقیقی قدر وقیمت کی کونسی شئے باقی رہ گئی ہے جس کی تلاش وحصول میں انسان اپنی زندگی بسر کرے؟"

اے کاش بدانمے من کیستمے ؟ سرگشتہ بہ عالم زپے کیستمے ؟
گر مقبل وآسودہ زخوش زیستمے ورنہ بہ ہزار دیدہ بگریستمے ! (بوعلی سینا)

رواقیہ وابیقوریہ کو علومِ نظریہ، نفسیات ومنطق میں صرف اسی حد تک دلچسپی تھی جس حد تک کہ یہ علوم ذات انسانی اور کائنات سے اس کے تعلق کو سمجھنے میں مدد دے سکتے تھے۔ ان علوم کی مدد سے وہ حیاتِ انسانی کے معنے اور اس کی قدر وقیمت پر روشنی ڈالنا چاہتے تھے۔ رواقیہ نے کہا کہ "حکمت' انسانی اور الٰہی چیزوں کا جاننا ہے، اور فلسفہ وہ فن ہے جو اس علم کو ممکن بناتا ہے"۔ غرض رواقیہ کے نزدیک فلسفہ، نیکی یا فضیلت کو حاصل کرنے کی کوشش ہے جو انفرادی

لہ دیکھو بیکول کی کتاب Source Book of Ancient Philosophy صفحہ ۲۶۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی کو دانائی و حکمت کے ساتھ فطرت کے الٰہی نظام کے ماتحت کرنے اور طبیعات، منطق و اخلاقیات کا مطالعہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے ؎

خواہی زِ وصال شاد ماں دار مرا　　خواہی زِ فراق در فغاں دار مرا

من بہ تو نگویم چساں دار مرا　　زانساں کہ دلت خواست چناں دار مرا

رواقیہ کے برخلاف ابیقوریہ کا یقین تھا کہ مسرت غایت ہے، انسان کو اپنی دو روزہ زندگی مسرت و اطمینان قلبی کے ساتھ بسر کرنی چاہیے ع خوش باش دمے کہ زندگانی اینست۔ ایپکورس انسان کو جذبات کی غلامی سے آزاد کرنا چاہتا ہے اور اس کے قلب میں وہ طمانیت پیدا کرنا چاہتا ہے، جس کو دنیا کی کوئی شئے برباد نہیں کرسکتی۔ لہذا ابیقوریہ کے نزدیک فلسفہ مسرت کی عقلی تلاش وجستجو کا نام ہے ؎

دورانِ فلک روز شباں می گزرد　　بس دور گزشت ہمچناں می گزرد

از بہرِ دو روزہ عمر دل تنگ مباش　　اے غنچہ شگفتہ شو جہاں می گزرد!"

شعراور فلسفہ

شعراور فلسفہ کے مقابلے سے فلسفے کے نئے معانی پر روشنی پڑسکتی ہے۔ اکابر شعرا میں سے بعض زندگی کو محض بیان کرنے پر قانع نظر آتے ہیں، لیکن بعض اس کی توجیہ وتعبیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی ہدایت ونہایت، غرض وغایت، نوعیت وماہیت کی تشریح کرتے ہیں، یہی فلسفی شعرا ہیں۔ روما کا مشہور شاعر لکریشیس فلسفی تھا، ایپکیورس کے فلسفے کو اس نے شعر میں ادا کیا، اللہ کا انکار، حیات بعد الموت کا انکار، طمانیت خاطر اور مسرت، "ماہیت فطرت[1]" والی شہرۂ آفاق نظم کے ہر شعر سے ظاہر ہے۔ خیام فلسفی شاعر ہے، اسرار ازل، ماہیت کائنات، غایت وجود،

---

[1] De Rerum Natura

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رازِ مسرت کے متعلق اس کے خیالات گو عقل کے لیے نہیں، تاہم تخیل کے لیے نہایت خوشگوار ہیں:۔

اسرارِ ازل را نہ تو دانی و نہ من — ایں حرفِ معمّا نہ تو خوانی و نہ من
ہست از پسِ پردہ گفتگوئے من و تو — چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

دیگر

در چرخ بانواع سخنہا گفتند — ایں بے خبراں گوہرِ دانش سفتند
واقف چو نگشتند باسرارِ فلک — اول زنخی زدند و آخر خفتند

دیگر

خیّام اگر بادہ پرستی خوش باش — با لالہ رخے اگر نشستی خوش باش
چوں عاقبتِ کارِ جہاں نیستی ست — انگار کہ نیستی چو ہستی خوش باش

ڈانٹے بہت بڑا فلسفی شاعر ہے، وہ اپنی Divine Comedy میں ہمیں کائنات کی شکل وصورت سے، انسانیت کی ہدایت وغایت سے، شر کی ابتدا اور اس کے علاج سے واقف کراتا ہے "فردوس" (Paradise) کے تابناک اشعار میں ہم پڑھتے ہیں کہ قلبِ کائنات سے حُبِ الٰہی کی مستنیر شعاع پیدا ہوتی ہے جس کا مقصد انسان کو معصیتوں سے پاک کرنا ہوتا ہے۔ جرمنی کا زبردست شاعر گیٹے بھی مُفکر اور فلسفی ہے۔ اس کی شاعری کا موضوع بھی نجاتِ انسانی ہے، لیکن اس کے نزدیک یہ زہد و تقوے سے نہیں، تجربے سے حاصل ہوتی ہے۔ ورڈسورتھ کو"اس ناقابلِ فہم عالم کے بارِ گراں" نے عاجز کر رکھا تھا اور براؤننگ" نباضِ قلب" خدا اور صداقت ومحبت سے ہمیں تشفی بخشتا ہے۔

ان فلسفی شعراء کی حیرتناک دلکشی اس امر کا انکشاف کرتی ہے کہ انسان کے سینے میں اسرارِ ازل کو دریافت کرنے اور اس "حرفِ معمّہ" کو پڑھنے کی کتنی زبردست خواہش موجود ہے اور ہم ان شعراء کے کلام سے کس قدر تسلّی اور آرام حاصل کرتے ہیں اور بعض دفعہ "شاعری جزویست از پیغمبری"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہہ اٹھتے ہیں۔ ایچی لس، سوفوکلیس، یوری پڈیس سب کے سب حامل پیغام، معلّم اخلاق و مفکر تھے اور اپنی قوم کو انہوں نے اپنے پیغامات سے جگا دیا۔

زمانۂ حال میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ ڈرامے کس قدر فلسفیانہ بنتے جا رہے ہیں۔ ڈرامہ نویس حیات کے عمیق مسائل سے الجھ کر انہیں سلجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اِب سَن اس نئے ڈرامے کا منبع ہے جہاں بجائے شاعر و صناع کے مفکر و معلّم کا کام کرتا ہے۔ اب سن قدامت کی ازکار رفتہ و مضر روایات سے نجات پانا چاہتا ہے اور اس کے ڈرامے کے پڑھنے والوں یا دیکھنے والوں میں جو احساسات پیدا ہوتے ہیں وہ اس قدر جمالیاتی نہیں ہوتے جس قدر کہ تفکری۔ برنارڈ شا کے ڈراموں میں جمالیاتی عنصر صرف نام ہی کو رہ گیا ہے اور سوائے وعظ و تفلسف کے کچھ نہیں۔ اب سن، برنارڈ شا، گالس ورثی اور روسی اسکول کے مصنفین کی تصانیف میں جو حیرت ناک دلچسپی لی جا رہی ہے اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ہم اپنے شکوک کو رفع کرنے، زندگی کے اسرار کو پانے کے کس قدر خواہاں و جویا ہیں۔ بہ قول ایک فلسفی کے "ہم مابعد الطبعیاتی حیوان ہیں"۔ ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کشمکشِ حیات کے باطنی اصول کیا ہیں، یہ تنازع ہمیں کس جانب لے جا رہا ہے، کیا انتخابِ فطرت کورانہ ہے یا کوئی "دستِ غیب" اِن کے تحت رہنمائی کر رہا ہے۔ بہرحال شاعری کا یہ فلسفیانہ رجحان اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ فلسفے اور اس کے مسائل میں جو زندگی کے مسائل ہیں، ہمیں اب بھی گہری دلچسپی ہے اور یہ روز بروز افزوں ہوتی جا رہی ہے۔ (باقی)

تصحیح

برہان مئی ۱۹۶۲ء میں صفحہ ۳۰۲ سطر ۱۳ میں اِنَّ اھل الرشا غلط لکھا گیا ہے۔ اس کے بجائے "وَاِن اھلُ الرشا" پڑھیے اور ترجمہ یوں کیجیے کہ اگر رشوت والے اُس کے پاس آتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجودہ جنگ کے دو اہم جزیرے

(از جناب مولوی عبدالقدیر صاحب دہلوی)

موجودہ جنگ میں جزیرہ مالٹا اور جزیرۂ مدغاسکر کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہم قارئین برہان کے لیے ان دونوں کے جغرافیائی حالات لکھتے ہیں جو امید ہے دلچسپی کے ساتھ پڑھے جائینگے اور اضافہ معلومات کا باعث ہونگے۔

مالٹا (یا) مالطہ

البحر الابیض المتوسط یعنی بحر روم (Mediterranean) کے وسطی حصے میں جو مشرقی و مغربی بحیرہ روم کا سنگھم یا مقام اتصال متصور ہے، وہاں پانچ جزائر واقع ہیں جن کو مالٹی جزائر (Maltese Islands) کہتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑے جزیرے کا نام مالٹا (Malta) ہے اس سے چھوٹا گوزو (Gozo Gozzo) ہے۔ ان دونوں کے درمیان جزیرہ کومینو (Comino) ہے۔ باقی دو جزیرے بہت چھوٹے اور غیر آباد ہیں۔ ایک کا نام فلفیا (Filfia) اور دوسرے کا کومی نٹو (Cominotto) ہے۔ یہ دونوں جزیرے دراصل پانی سے اُبھرے ہوئے دو پہاڑ ہیں۔ گوزو کا قدیم نام گولوس (Gaulos) تھا۔ ان پانچوں جزائر کا سلسلہ اُنتیس میل کے پھیلاؤ میں ہے یہ آگے پیچھے ایک دوسرے کے قریب چلے گئے ہیں۔ ان میں قابل ذکر مالٹا ہے ان کے پاس ہی سمندر کے اندر شمالاً جنوباً ایک چٹان چلی گئی ہے جو یورپ کو افریقہ سے ملاتی ہے

© rasailojaraid.com

اور مشرقی بحیرۂ روم سے مغربی بحیرۂ روم کو جدا کرتی ہے۔

بحیرۂ روم کا نقشہ دیکھنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مالٹا کا محل وقوع بہت ہی عجیب و غریب اور نہایت اہم ہے۔ مالٹا بالکل وسط میں تو نہیں مگر وہ شاہراہ جو جبرالٹر سے نہر سوئز تک ہے، اس کے قریبًا وسط ہی میں ہے۔ مالٹا برطانوی تجارت اور اقتدار کا محافظ اور نگہبان ہے۔ مالٹا کی مشہور بندرگاہ والیٹا سے ہر چہار جانب کی بندرگاہوں تک کم سے کم وقت میں مدد پہنچائی جا سکتی

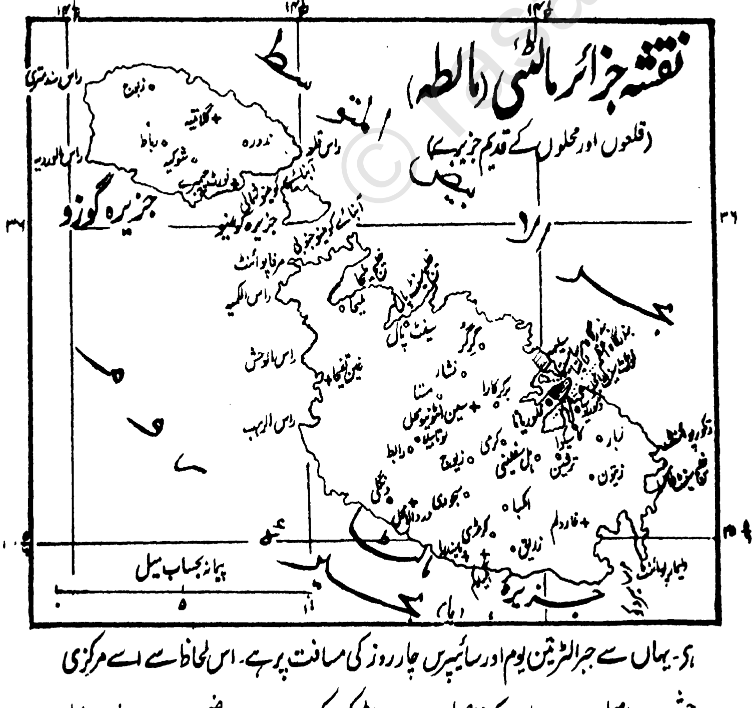

ہے۔ یہاں سے جبرالٹر تین یوم اور سائپرس چار روز کی مسافت پر ہے۔ اس لحاظ سے اسے مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ذیل کے فاصلوں سے مالٹا کی مرکزی اہمیت واضح ہے۔ لا والیٹا یا والیٹا (La Valetta) سے جبرالٹر ۹۸۰ میل جانب غرب اور نہر سوئز کی بندرگاہ پورٹ سعید ۹۴۰ میل جانب شرق ہے۔ اٹلی کی تین بندرگاہ یعنی مسینا ۱۶۵ میل، سیراکیوز ۸۵ میل اور پسارو ۶۰ میل ہے۔